

سیرتِ طیبہ کے چند تابندہ نقوش

بشیر انصاری ایم اے

پچھٹی صدی عیسوی کے نصفِ آخر میں جب دنیا روحانی و اخلاقی اور معاشرتی و تمدنی طور پر اناطولیہ کی تاریکیوں میں گھر چکی تھی اور تمام مذاہب عالم تنزل کی اس منزل پر جا چکے تھے۔ جہاں یہ کہا جاسکتا ہے عیسیٰ کا کوئی حد سے گزرنا دیکھیے۔ تہذیبِ قدیم کی آخری کرن مٹا رہی تھی۔ انسانیت فساد و شر، ضلال و گمراہی اور انتشار و افراق کے کنارے کھڑی تھی۔ پوری دنیا میں اضطرابات و فتن کا ایک طوفان برپا تھا۔ سکون و اطمینان غنقا ہو چکے تھے اس تیرہ و تار فضا میں ایک روشنی کا ظہور ہوا جس نے تاریکی کو دور کیا اور سسکتی ہوئی انسانیت کو درخشاں و تابناک مستقبل کی راہ دکھلائی یہ سکن عیسوی کی ۵۷ء و ۵۸ء خزاں تھی۔ جب خاندانِ قریش کی ایک خاتون کے گھر مکہ مکرمہ میں جنابِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنم لیا۔ آپ کی تشریف آوری سے خزاں سے خزاں دیدہ چمن میں بہار آگئی۔ کفر و ضلالت کے بادل چھٹ گئے۔ اُنح انسانیت پر تابندگی پھیل گئی۔ دراصل یہ ساعت سعید انسانیت کی معراج تھی اس وقت عرب کے اخلاقی، سماجی، اعتقادی اور مذہبی و روحانی حالات نہایت ناگفتہ بہ تھے وہاں نہ کوئی اتحاد نہ شائستگی اور نہ نظم و نسق موجود تھا۔ عرب کے لوگ بتوں اور مظاہر فطرت یعنی سورج، چاند اور ستاروں کی پرستش کے علاوہ اپنے ہاتھ سے تراشے ہوئے بتوں کے آگے سجدہ رہتے تھے۔ ان کے مشرکانہ افعال کا عالم یہ تھا کہ خانہ کعبہ جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صرف خدا سے واحد کی عبادت کے لئے تعمیر کیا تھا وہ سینکڑوں بتوں کا مرکز بن چکا تھا۔ یہودی بھی بتوں کی پوجا کرتے تھے اور اپنے خود ساختہ معبودوں کو بیت اللہ میں لاکر رکھتے تھے۔ عیسائیوں نے حضرت مریمؑ کا ایک ایسا بت بنا رکھا تھا۔ جس کی گود میں حضرت مسیحؑ کا

مجسمہ بنا ہوا تھا۔ اور اسے بھی خانہ کعبہ میں سجا دیا گیا۔ اس وقت عرب کے تمام مذاہب میں بت پرستی عام تھی۔ اسی لئے خانہ کعبہ کے در و دیوار بتوں سے آراستہ تھے۔ ان بت پرستوں کے علاوہ وہاں کچھ ایسے لوگ بھی موجود تھے جو لامذہب تھے ان کو صابئین کہا جاتا ہے۔ یہ لوگ اپنی آراذخیالی میں بت پرستوں کا خوب تمسخر اڑایا کرتے تھے۔ کچھ لوگ ایسے بھی تھے جن میں دین حنیف کی ہلکی سی جھلک موجود تھی وہ بتوں سے کنارہ کشی اور انکی پرستش سے بیزار تھے مگر عملی طور پر بے بس اور لاچار تھے۔

اخلاقی طور پر عربوں کی سب سے بڑی بُرائی رسم دختر کشی تھی یعنی عرب اپنی بیٹیوں کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے۔ کیونکہ وہ لڑکی کو اپنے لئے باعثِ ذلت شمار کیا کرتے تھے۔ جب کہ خود انھیں عورت نے جنم دیا تھا۔ یہ ان کی خام خیالی تھی کہ بیٹی کی پیدائش ان کے سرِ عزو کو نیچا دکھائے گی اور دوسروں کی نگاہوں میں ذلیل کرے گی۔ لڑکی کی پیدائش ان سب کے لئے باعثِ شرم و عار تھی۔ وہ لڑکیاں جو ان کے دستِ جور و ستم سے بچ جاتی تھیں ان سے وہ ظالمانہ سلوک کیا جاتا تھا جس کے تذکرے سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

عرب کے لوگ شراب کے دسیا۔ زنا کے عادی، قمار بازی اور موسیقی کے دلدادہ تھے۔ رگالے بجانے والی عورتوں کی اخلاق سوز حرکتیں ہر جگہ دیکھی جاسکتی تھیں لیکن اہل عرب کو یہ حیا سوز ادائیں مجید پسند تھیں۔ اور ان عورتوں کو بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ ایسی عورتوں سے ہر عام بیاہ چاتے تھے۔ کثرتِ ازدواج کی کوئی حد نہ تھی۔ کینزوں کے لئے یہ رواج تھا کہ وہ اپنے مالک کی وفات کے بعد خاوند کی اولاد کی ملکیت تصور ہوتی تھیں۔

یہ کہنا غلط ہو گا کہ عرب کے لوگ صفاتِ حسنہ سے یکسر عاری تھے۔ ان میں کچھ ایسی صفات موجود تھیں جو ان کے انسانی جوہر کو نمایاں کرتی تھیں۔ مہمان نوازی۔ شجاعت، سخاوت قبائلی وفاداری۔ سلسلہ نسب کی حفاظت اور شعر و ادب کا اونچا مذاق ان کی سیرت کے قابلِ ذکر نقوش ہیں۔ ان خصوصیات کے باوصف ان میں اس قدر ہیمنہ صفت پائی جاتی تھیں جن کے سامنے ان چند اعلیٰ صفات کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہتی۔

عرب کے لوگ مختلف قبائل اور قبیلوں میں بٹے ہوئے تھے اور ہر وقت آپس میں برسرِ پیکار رہتے تھے۔ ذرا ذرا سی بات پر تلواریں نیام سے باہر نکل آتی تھیں۔ غصہ، نفرت اور جذبہ انتقام انکی سرشت میں داخل تھا۔ لڑائی جھگڑا اور معمول باتوں پر قتل و غارت ان کے

لئے معمولی بات تھی، عرب خود دوسرا مختار قسم کی زندگی بسر کرتے تھے۔ ان کا کوئی ایسا با اختیار قسم کا مرکز نہ تھا جو کسی قانون اور ضابطے کو عملی زندگی میں نافذ کر سکے۔ عرب کی حالت کا یہ اجمالی نقشہ تھا۔ انگلستان جو آج علم و فن اور تہذیب و سیاست کا امام بن بیٹھا ہے اس وقت آگ اور خون کی ہولی کھیل رہا تھا۔ اٹلی تاریخ کی پر عظمت مملکت روما کا گہوارہ اپنی تہذیب کی آخری سانسیں گن رہا تھا۔ یونان اپنی قدیم علمی برتری سے تہی دامن ہو چکا تھا۔ سیاسی طور پر وہ روماء شرقی کے زیرِ نگیں تھا اور اس کی علمی قندیل بھی بجھ چکی تھی۔ ایشیاء بڑھتی، افریقی اور اضطرب کی آماجگاہ بن چکا تھا۔ الغرض تمام دنیا پر وحشت و بربریت اور انتشار و افراق کے گھٹا ٹوپ بادل چھا چکے تھے۔ اقوام عالم کی اخلاقی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ انہی حالات میں وہ روزِ سعید بھی آپہنچا جب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم خداوندِ عالم کا پیغام لے کر دنیا کے سامنے تشریف لائے اور آپ نے اپنے حق آفرین پیغام سے دنیا میں ایک ایسا انقلاب برپا کیا جس کا اعتراف امریکہ کے مشہور مصنف اور دانشور واشنگٹن ارونگ نے اس طرح کیا ہے۔

بالآخر وہ وقت آگیا جب متفرق قبائل کو ایک ہی قبیلے کی صورت میں متحد ہونا پڑا اور ان کے دلوں میں ایک مشترکہ نصب العین کا جذبہ بیدار ہونے لگا جبکہ ایک ایسی اولوالعزم شخصیت ان کے درمیان ظہور پذیر ہوئی جس نے ان کو بکھرے ہوئے اجزاء کی شیرازہ بندی کی اور ان میں ایک نیا ولولہ پیدا کر دیا جس کا محرک اس کا والہانہ جوش اور شہیادانہ جذبہ تھا۔ اس عظیم شخصیت نے صحرائے عرب کے ایسے رہنما کی حیثیت اختیار کر لی جس نے روئے زمین کی حکومتوں کو تہ و بالا کر دیا ۛ

کتابِ حکمت کے ذریعے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عربوں کو باہم شیعہ و شکرہ کر دیا۔ ان میں اتفاق و اتحاد پیدا ہو گیا۔ قرآن مجید نے اسے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ کُنْتُمْ اَعْدَاءُ خَالَفَتْ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَاصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ اِخْوَانًا ۗ اَیُّہُ نے ان میں مساوات اور اخوت و مروت کی روح پھونک دی۔ عربی اور عجمی کا لے اور گولے کی تفریق ختم کر کے تقویٰ اور طہارت کو معیاری فضیلت قرار دیا۔ صحابہ کرام نے عہدِ جاہلیت کی تمام رسوماتِ بد سے یکسر کنارہ کشی اختیار کر لی اور ان میں زندگی کی نئی بہرہ ور کی۔ اور اس نئی بہرہ کے زاویہ نگاہ میں صحت مند انقلاب برپا کر دیا۔ اور اس انقلاب نے پوری زندگی کی کا یا ملت کر رکھی۔ زندگی کے ہر پہلو اور سرِ رخ

میں خوشگوار تبدیلی رونما ہوئی۔ اسی کیفیت کا نقشہ مصنف محسنِ انسانیتؐ نے ان الفاظ میں کھینچا ہے

”انبیاء کرام کے سوا کوئی عنقریب تاریخ میں ایسا دکھائی نہیں دیتا جو انسان کو، پورے کے پورے انسان کو، اجتماعی انسان کو اندر سے بدل سکا ہو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل کارنامہ یہ ہے کہ آپ کی دعوت نے پورے کے پورے انسان کو اندر سے بدل دیا اور صبغۃ اللہ کا ایک ہی رنگ مسجد سے لے کر بازار تک، مدرسے سے لیکر عدالت تک اور گھروں سے لیکر میدان جنگ تک چھا گیا۔ ذہن بدل گئے۔ خیالات کی رو بدل گئی۔ نگاہ کا زاویہ بدل گیا۔ عادات و اطوار بدل گئے۔ رسوم و رواج بدل گئے۔ حقوق و فرائض کی تقسیمیں بدل گئیں۔ خیر و شر کے معیار اور حلال و حرام کے پیمانے بدل گئے۔ اخلاقِ قدیم بدل گئیں۔ قانون و دستور بدل گئے۔ جنگ و صلح کے اسالیب بدل گئے اور مہنت کے ایک ایک ادارے اور ایک ایک شعبے کی کایا پلٹ گئی۔ اور اس پوری کی پوری تبدیلی میں جس کا دائرہ ہمہ گیر تھا۔ ایک سرے سے دوسرے سرے تک خیر و فلاح کے علاوہ کچھ نہیں ملتا۔ ہر طرف بناؤ ہی بناؤ۔ تعمیر ہی تعمیر اور ارتقاء ہی ارتقاء ہے۔ درحقیقت محسنِ انسانیتؐ کے ہاتھوں انسانی زندگی کو نشاۃ ثانیہ حاصل ہوئی اور حضورؐ نے ایک نظامِ حق کی صبح طلوع کی۔ اسی بنیادی تبدیلی کی کیفیت حضرت جعفر طیارؓ نے بھی بیان فرمائی ہے حضرت جعفر طیارؓ جو ان نوے مسلمانوں میں شامل تھے جنہوں نے قریش کے ظلم و ستم سے تنگ آکر مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے حبشہ میں پناہ لی تھی۔ انہوں نے ان تبدیلیوں کا اجمالہ نقشہ کھینچی ہے۔ جو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت سے صحابہ کرام میں پیدا ہوئی تھی۔ حضرت جعفر طیارؓ نے حبشہ کے عیسائی بادشاہ کے سامنے تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔ اے بادشاہ ہم جہالت میں مبتلا تھے۔ بتوں کو پوجتے تھے۔ بجا سست سے آلودہ تھے۔ مردار کھاتے تھے اپنے ہمسایوں سے برا سلوک کرتے تھے۔ طاقتور، کمزوروں کی دولت ضائع کر دیتے تھے۔ ایسی حالت میں خداوندِ عالم نے ہم میں سے ایک بزرگ سہتی کو مبعوث فرمایا جس کے حسب و نسب، سچائی۔ دیانتداری۔ تقویٰ اور پاکیزگی سے ہم خوب واقف تھے۔ اس نے ہم کو توحید کی دعوت دی اور سمجھایا کہ اکیلے خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ بتوں۔ اور جھٹوں کی پرستش سے انہوں نے منع فرمایا۔ جن کی پرستش

ہمارے باپ دادا کیا کرتے تھے۔ انھوں نے ہمیں نماز کے احکام بتائے۔ صدقہ کی تعلیم دی اور ذرہ رکھنے کا حکم دیا، جبکہ ہم بیمار یا سفر پر نہ ہوں اور پہنچنے کا حکم دیا، اپنے زیر دستوں کی حفاظت۔

کی ذمہ داری ہم پر ڈالی۔ اپنے رشتہ داروں سے شفقت اور ہمسایوں سے اچھے برتاؤ کا حکم دیا ہم بڑے کاموں سے باز آگئے۔ آوارگی اور غوریزی سے رک گئے اس نے ہمیں تجوئی شہادت سے منع فرمایا۔ اور یتیموں کو انکی جائیداد سے محروم نہ کرنے کا حکم دیا۔ عورتوں پر تہمت لگانے سے منع فرمایا۔ ہم نے ارشادات کو دل و جان سے قبول کیا۔ ہم ان کی صداقت پر ایمان لائے۔ ہم نے ان تمام احکام کی پیروی کی جو خداوند عالم نے ان کے ذریعے بتلائے۔ اور اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لائے یہی باتیں اس کا اجمالی خاکہ ہیں جو پیغمبر علیہ السلام نے ہم کو بتلائیں۔

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا انسانیت پر سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ انھوں نے فاطر کائنات اور اس کی کرم فرمائوں سے انسانیت کا رشتہ استوار کیا۔ وہ انسان جو شجر و حجر کا کو اپنا خدا سمجھ بیٹھا تھا۔ چاند اور ستاروں کی پرستش کرتا تھا۔ اسے اپنی برتری اور عظمت سے آگاہ کیا اور بتایا کہ تو شجر و حجر کے آگے سجدہ ریز کیوں ہے۔ جبکہ تو خود مسجود ملائک ہے۔ تو خداوند عالم کی افضل ترین مخلوق ہے۔ کائنات کا ذرہ ذرہ تیری خدمت کے لئے مامور ہے چاند، ستارے، چتر، شجر اور سورج تو سب تیرے لئے بنائے گئے ہیں۔ انسان تو خلیفہ اللہ فی الارض ہے۔ خدا تعالیٰ کے سوا کسی اور کے آگے سجدہ ریز نہ ہونا۔ انسانیت کی توہین ہے اور خالق کائنات کی پرستش کرنا انسانیت کی معراج ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا سب سے اہم اور بنیادی اصول عقیدہ توحید تھا۔ خدا کی وحدانیت کے اس ناقابل تردید عقیدہ کے بارے ایک مغربی مفکر پر دوفیسر مٹی کو بھی یہ کہنا پڑا کہ اسلام کی سب سے بڑی علت غائی ایک غیر مرمی ہستی پر ایمانِ کامل میں پوشیدہ ہے۔ اس مذہب کے پیروؤں کو ایک ایسے اطمینان کا احساس اور تسلیم و رضا کا جذبہ حاصل ہے۔ جو دوسرے مذاہب کے پیروؤں میں نہیں پایا جاتا۔ اور یہی وجہ ہے کہ اسلامی ممالک میں خودکشی کے واقعات بہت ہی کم پائے جاتے ہیں۔

جمہوریت کا یہ شعلہ اور www.rasailojaraid.com کے استبداد کے

خدا کا ایک جہاد تھا۔ جبکہ ظالم لوگوں اور جاہل و سفاک حکمرانوں کے ناقابل فہم استبداد و بربریت کے بوجھ سے انسانیت کراہ رہی تھی۔ اور ان کے مستقل اغراض و مفادات کی خاطر انسانیت کے مفادات و حقوق بری طرح پامال ہو رہے تھے۔ آخر کار انھوں نے ذات و نسل اور موروٹی استحقاق کے بتوں کو پاش پاش کر دیا۔ اور پادریت کے خاتمہ سے ایک اسم کا نامہ سرنام بنی دیا انھوں نے بنی نوع انسان پر بڑا احسان کیا اور ایسے طبقہ کے تقدس کی اجارہ داری کو یکسر ختم کر دیا جو خدا اور بندے کے درمیان حائل تھی۔ ۵

کیوں خالق و مخلوق میں حائل رہیں پر نہ - پیران کلیسا کو کلیسا سے اٹھا دو!
 بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غلامی کے مکمل خاتمہ کے لئے بتدریج موثر اقدامات کیے اور غلامی کی یہ لعنت صرف عرب میں ہی رائج نہ تھی بلکہ پوری دنیا اس لعنت کا شکار تھی جو ریح انسانیت پر ایک بد نما داغ تھی۔ آپ سے قبل دنیا کے بڑے بڑے مفکرین جن میں ارسطو بھی شامل ہے غلامی کو سیاست، معاشرہ اور حکومت کے لئے ایک جزو لا ینفک قرار دے چکے تھے، غلامی، یونانی اور رومن تہذیب کا ایک اہم حصہ تھی۔ اس کے برعکس بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غلاموں کی آزادی کو عظیم اخلاقی مروت قرار دیا۔ انھوں نے اپنی حیات طیبہ میں بے شمار غلاموں کو آزاد کیا نیز آپ نے غلاموں کے مالکوں کو تنبیہ کی کہ ان سے ضرورت سے زیادہ کام نہ لیا جائے اور یہ بھی فرمایا کہ غلاموں کو ویسا ہی کھانا کھلاؤ جیسا تم خود کھاتے ہو اور ان کو لباس بھی ویسا ہی دو جیسا تم خود استعمال کرتے ہو۔ آپ کی انقلاب آفرین تعلیم سے غلاموں کی حالت اس قدر سدھرتی کہ انھیں معاشرے میں اہم حیثیت حاصل ہو گئی۔ ان میں سے بعض نے بادشاہت اور سپہ سالاری کے منصب بھی پائے۔ قرآن پاک کے متعدد مقامات پر غلاموں کی رہائی کی تاکید آئی ہے۔ اسلام کی تعلیم یہ بھی ہے کہ کسی عربی کو عجیب پر اور سیاہ کو سفید پر کوئی فوقیت نہیں۔ سوائے نیک اور پرہیزگار عمل کے۔ عدل و مساوات کے اس حکیمانہ اصول نے سرمایہ داری اور آقاہیت کے بت کو پاش پاش کر دیا۔ اور غلاموں کے حقوق کا تعین ایک ایسی معتدل پالیسی کی بنیاد پر کیا جس کی وجہ سے ہردو فریق کی شکایتیں مٹ گئیں۔ اور کوئی فریق کسی کے دست ظلم و جور کا فریادی دشمن نہ رہا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کسی جرم پر جس قدر سزا ایک آزاد شخص کو دی جاسکتی ہے۔ اس سے کم بلکہ نصف سزا غلام کو دی جائے۔ عذر و فکر کا مقام ہے کہ اس مظلوم طبقہ کے لئے رحمتہ اللعالمین کے پاس رحم و کرم کی کتنی فلاحی باتیں تھیں۔ آپ نے یہ اور بندہ نواز کو ایک ہی صف

میں کچھ کر دیا۔ یہ سب کچھ ساتویں صدی عیسوی میں ہوا۔ جبکہ اٹھارویں صدی تک۔ انگلستان، فرانس، جرمنی، اسپین، اور ہالینڈ میں غلامی کا دور دورہ رہا اور اسے نوآبادیاتی نظام کے سہارے جاری رکھا گیا۔ جہاں غلام کی محنت کی ضرورت تھی۔ ان حالات میں اسلام کی فوقیت اور اس کی انسانیت نوازی میں کوئی شک باقی نہیں رہتا۔

آج بھی دنیا میں نسلی فتنہ برپا ہے، پیلے رنگ، کالے رنگ اور سفید فام یہ سب آپس میں ایک دوسرے کے دشمن اور ایک دوسرے کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں مگر اسلام کا اعلان یہ ہے کہ غیر اختیاری چیزیں جتنی بھی ہیں۔ چاہے وہ رنگ ہو یا نسل زبان ہو یا ملک ان میں سے کوئی چیز بھی فضیلت کا معیار اور پیمانہ امتیاز نہیں بن سکتی۔ بزرگی و برتری کا معیار تو صرف اختیاری و ارادی چیز ایمان و عمل صالح ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ان اکرمکم عند اللہ اتقکم اللہ تعالیٰ کے ہاں تم میں سے زیادہ پسندیدہ شخص وہ ہے جو زیادہ متقی اور صاحبِ کرم دار ہو۔ انسان اگر آج بھی اس معیار کو اپنالے تو دنیا میں کہیں بھی قومی اور فرقہ وارانہ ہنگامے اور فساد باقی نہیں رہ سکتے بلکہ انفرادی جھگڑوں اور فتنوں کا وجود ختم ہو سکتا ہے۔ اسلام نے عورت کے بارے میں بھی تمام شکوک و شبہات کو رفع کر دیا ہے۔ اور عورت کو مرد پر وہی حقوق حاصل ہیں جو مرد کو عورت پر حاصل ہیں درحقیقت یہ فرمان عورت کی حق شہریت کا سب سے بڑا اعلان تھا۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنی بیوی سے اچھا سلوک کرتا ہے۔ اسلام نے ہی بتایا کہ ماں کے پاؤں تلے جنت ہے، اپنے عورت کو اس وقت رنج و غمت کا مقام بخشا جب اس کی حیثیت جائزوں سے بدتر تھی۔ بعثتِ نبویؐ سے قبل عورت کو ذلت و حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ یہ اسلام نے ہی بتلایا کہ عورت کا وجود تو راحت و سکینت کا مظہر ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشروط نکاحوں کی رسم یکسر بند کر دی۔ اور عورت کو اس کے قانونی حقوق عطا کئے۔ اس وقت دنیا میں غیر محرم و تعداد ازدواج کا دور دورہ تھا۔ مگر اسلام نے اس پر پابندی عائد کر دی۔ ہر چند اسلام میں طلاق کی اجازت ہے۔ لیکن وہاں یہ صراحت بھی موجود ہے کہ تمام جائز امور میں سے سب سے بڑی چیز اللہ تعالیٰ کے نزدیک طلاق ہے۔ کیونکہ یہ ازدواجی مسرت کی راہ میں رکاوٹ ہے اور اولاد کی صحیح تربیت میں مانع ہے۔ اسلام نے جہاں مرد کو طلاق کے حقوق دیئے ہیں۔ وہاں عورت کو بھی مناسبت وجوہ کی بناء پر خلع کا حق دیا ہے۔ اسلام نے سچے کو نکاحِ شادی کی اجازت دے کر

اسے محتاجی اور بے راہ روی سے بچالیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلم رعایا کے جان و مال اور مذہب کی حفاظت کی مکمل ذمہ داری اٹھاتی تھی اور کسی مقام پر بھی آپ نے ان کے حقوق و منادات کو پامال ہونے نہیں دیا۔ فتح مکہ کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا۔ اور بخران کے عیسائیوں اور ہمسایہ حکومتوں سے کہا کہ ان کے جان و مال اور مذہب کے لئے اللہ تعالیٰ کا اور اس کے پیغمبر کا وعدہ بالکل برحق ہے۔ حاضر و غائب سب بے فکر رہیں۔ ان کے عقبے اور عبادات میں کسی قسم کی مداخلت نہیں کی جائے گی اور نہ ہی ان کے حقوق و منادات میں کوئی تبدیلی کی جائے گی۔ قرآن پاک کا اعلان عام ہے لا اکلہ فی المدین۔ نیز کسی بشپ کو اس کے عہدے سے، کسی راہب کو اس کی خانقاہ سے اور کسی پادری کو اس کے کلیسا سے علیحدہ نہیں کیا جائے گا۔ کسی پر کسی قسم کا ظلم و انہیں ہوگا۔ نہ ان پر عشر نافذ ہوگا اور نہ ہی مہاجرین کی ضرورت کے لئے ان سے کسی چیز کا مطالبہ کیا جائے گا۔ کیا دنیا کی تاریخ اس حسن سلوک اور مذہبی رواداری کی کوئی مثال پیش کر سکتی ہے؟

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے محصور دشمن کے کسی عضو کو کاٹنے سے منع فرمادیا تھا۔ اور اسے وحشت و ہرہیت کے مترادف قرار دیا تھا۔ قیدیوں سے نرمی کا برتاؤ کرنے کا حکم دیا۔ سماجی طبقات میں اعتدال پیدا کرنے کے لئے اسلام نے ذخیرہ اندوزی سے منع کر دیا۔ اسلامی قانون وراثت اجتماعی خیرات، زکوٰۃ اور انفرادی صدقات کا فلسفہ بھی یہی ہے کہ معاشرہ میں دولت کی تقسیم سب اور منصفانہ ہو تاکہ دولت کی افراط و تفریط سے ایک دوسرے میں بُد پیدا نہ ہو۔ دولت مند سے اپنا فرض سمجھ کر دے اور غریب اپنا حق سمجھ کر لے۔ نہ دولت مند احسان جتلاتے اور نہ غریب لینے میں عار محسوس کرے۔ ایسا نظام دنیا کا کوئی مذہب اور دنیا کا کوئی نظام پیش کرنے سے قاصر ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اس امر کی مظہر ہیں کہ قانون کی نگاہ میں تمام انسان مساوی ہیں۔ قرآن مجید کو سب احکام پر بالادستی حاصل ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے حضورؐ کو اپنی ذات کو بھی قصاص کے لئے پیش فرماتے دیکھا ہے۔ صحیحین میں حضرت عائشہؓ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک فاطمہ نامی عورت چوری کے الزام میں پکڑی گئی۔ جرم ثابت ہو گیا۔ تو قریش کے بااثر لوگوں نے ملزمہ کو بچانے کی کوشش کی۔ انھوں نے اسامہ بن زیدؓ کو سفارشی بنا کر آپ کی خدمت میں بھیجا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بے حد دکھ ہوا آپ نے اس وقت یہ تاریخی الفاظ بیان فرمائے کہ تم سے پہلے امتیں اس لئے تباہ ہوئیں کہ ادنیٰ طبعہ کا فرد، جرم

میں ماخوذ ہوتا تو اسے سزا دی جاتی لیکن خوشحال طبقہ کے مجرمین کو چھوڑ دیا جاتا۔ لیکن یاد رکھو۔ لوگان کا فاطمہ بنت محمدؑ سے سرقت لقطعت پیدا۔ اگر فاطمہ بنت محمدؑ بھی پھری کرے تو میں اس کا ہتھ بھی کاٹ دوں گا۔ بے لاگ انصاف کی ایسی مثالیں دنیا میں کم ہی ملیں گی۔

۱۰۔ ہجری کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مشن پایہ تکمیل کو پہنچا اور یہ آیت نازل ہوئی الیوم اکملت لکم دینکم و انست علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا یعنی تکمیل شریعت اور اتمام نعمت کی نوید دی گئی اور پوری انسانیت کے لئے اسلام کو دین پسند فرمایا۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں ہی پورا عرب اسلام کے جھنڈے تلے جمع ہو چکا تھا۔ یہ کوئی معمولی کارنامہ نہیں ہے۔ مولانا حاتی نے درست کہا ہے ۷

وہ بھی کار کاٹھا یا صورتِ ہادی — عرب کی زمین جس نے ساری ہلا دی

انیسویں صدی کے مشہور یورپین شاعر لارمٹائن کو اس بات کا اعتراف کرنا پڑا۔

اس قدر محدود وسائل کے ساتھ کسی دوسرے انسان نے انسانی طاقت سے زیادہ ذمہ داری قبول نہیں کی کیونکہ اتنے بڑے مقصد کے حصول کے لئے اپنے نصب العین کے تصور اور اسے عملی رنگ دینے کے لئے اس کے پاس سوائے اپنی ذات کے اور کوئی ذریعہ نہ تھا اور نہ ہی مٹی بھر انسانوں کے سوا جو صحرا کے گوشے میں بس رہتے تھے اسے اور کوئی طاقت حاصل نہ تھی دنیا میں کسی نے بھی اتنا عظیم اور مستقل انقذاب برپا نہیں کیا۔ آپ کی بعثت سے لے کر دو صدیوں میں اسلام نے اہل عرب کے دلوں اور تلواروں پر حکومت کی۔ اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے اٹھوٹے ایران۔ خراسان۔ شمالی ہند۔ شام۔ مصر، حبشہ اور شمالی افریقہ کے متعدد ممالک فتح کر لیے۔

فلاسفر، فیض البیان، مقرر، مرسل، مقنن، جنگجو، بہادر، فاتح اور معقولات پر مبنی اعتقادات کے بحال کنندہ ایک ایسے مذہب کے لئے جو اصرام پرستی سے بے نیاز اور کوسوں دور ہے، سلطنتوں کے بانی اور ایک عالمگیر روحانی و دینی مملکت کی بنا ڈالنے والے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے۔ ان تمام معیارات کو پیش نظر رکھتے ہوئے جن کی رو سے انسانی عظمت کو ناپا جاسکتا ہے یہ سوال جرأت کے ساتھ پوچھا جاسکتا ہے کہ آیا کوئی انسان آپ کی ذات سے عظیم تر قرار دیا جاسکتا ہے اللہ تعالیٰ کی آپ پر کروڑوں رحمتیں ہوں۔ آمین۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کا ایک ایک نقش تابندہ و تابناک ہے کس کس چیز کا تذکرہ کیا جائے اس کے لئے تو سب سے پہلے وہ تمام اس مضمون سے متعلق ہیں انہیں کس طرح سمیٹنا

سکتا ہے۔ لہذا اپنی موضوعات کو یہاں ہی ختم کیا جاتا ہے۔